بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين،

أَمَّا بَعْدُ:

72: اللہ تعالیٰ کے قرب اور دعا کی قبولیت، اور یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بلندی اور فوقیت کی نفی نہیں ہوتی کا بیان)

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں؛

شرح میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فصل في قرب الله تعالىٰ وإجابته وأن ذلك لا ينافي علوه وفوقيته'' (اللہ تعالیٰ کے قرب اور دعا کی قبولیت، اور یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بلندی اور فوقیت کی نفی نہیں ہوتی کا بیان)۔

اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعا کی قبولیت بھی فرماتا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اور عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کیا ان دونوں میں کوئی تضاد ہے؟ ہر گز نہیں! کوئی تضاد نہیں ہے اور کوئی تنافی نہیں ہے؛ اسی موضوع کے تعلق سے کچھ دلائل اور چند اہم باتیں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصنف (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کا یہ کہنا: ''"وقد دخل في ذلك"؛ يعني: فيما وصف به نفسه'': یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اپنے وصف کا بیان فرمایا ہے قرآن مجید میں اور صحیح احادیث میں اُن میں یہ بھی داخل ہے (یعنی اس چیز پر ایمان لانا بھی واجب ہے)۔ وہ کیا چیز ہے؟ ''الإيمان بأنه قريب من خلقه مجيب'' (یہ ایمان کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اپنے بندوں کے قریب ہے اور دعا کی قبولیت بھی کرتا ہے)؛ یعنی: ''قريب في نفسه، ومجيب؛ يعني: لعباده'' (اللہ تعالیٰ خود قریب ہے اور اپنے بندوں کی دعا کی قبولیت بھی کرتا ہے)۔ اس کی دلیل یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ إلى آخر الآية (البقرة:186)۔ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي﴾ (اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب میرے بندے میرے تعلق سے سوال کریں) ﴿عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ (بے شک میں قریب ہوں) ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ (میں دعا کرنے والوں کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں چھ ضمائر ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو قرب ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود قریب ہے لیکن ہم قریب کے لفظ میں وہی کہتے ہیں (قریب کے معنی میں) جو معیت کے تعلق سے پہلے بیان کر چکے ہیں؛ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قریب کا معنی یہ ہے کہ جگہ کے اعتبار سے کوئی انسان کے قریب ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: ''إِنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُم مِن عُنقِ رَاحِلَتِهِ'': کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی شخص کے اُس کے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے؛ ''إِنَّهُ أَقْرَبُ'' (بے شک اللہ تعالیٰ زیادہ قریب ہے) ''إِلَى أَحَدِكُم'' (تم میں سے کسی شخص کے) ''مِن عُنقِ رَاحِلَتِهِ'' (اُس کے اونٹ کی گردن سے زیادہ قریب ہے)۔

یہ پہلے گزر چکا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے؛ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ خود زمین پر ہو اور اس بندے کی اور اونٹ کی گردن کے بیچ میں ہو! اس سے یہ معنی لازم نہیں آتا۔

اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: ''فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِ الْمُصَلِّي'' (کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے)؛ اِس سے بھی یہ بات لازم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی کے اور اس دیوار کے بیچ میں ہے، اگر یہ نمازی دیوار کے سامنے یعنی دیوار کو ستر بنا کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ اس نمازی کے اور دیوار کے بیچ میں ہے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے (نمازی کے) اور زمین کے بیچ میں ہے اگر یہ شخص یعنی نمازی جو زمین کی طرف دیکھ رہا ہو۔

اور اسی طریقے سے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ کے قرب سے یہ معنی لازم نہیں آتا (یا یہ بات لازم نہیں ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین پر قریب ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ بات خوب جان لو کہ بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے قرب کی تقسیم کی ہے، جیسا کہ معیت کی دو قسمیں ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ قرب کی بھی (اللہ تعالیٰ کے قرب کی بھی) دو قسمیں ہیں: (۱) ایک ایسا قرب ہے جس کا مقتضی جو ہے احاطہ ہے جسے قرب عام بھی کہتے ہیں۔ (۲) اور دوسرا قرب ہے جس کا مقتضی جو ہے وہ اجابۃ الدعاء یا ''الإثابة'' یعنی اُجر و ثواب عطا کرنا، اور اسے قرب خاص کہتے ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف ایک ہی قسم کا ہے، قرب خاص جسے کہتے ہیں جس کا معنی یہ ہے یا جس کا مقتضی یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی پکار کو سنتا ہے اور اُس کا اُجر بھی عطا کرتا ہے؛ اور اس کی کوئی اور قسم نہیں ہے، یعنی تقسیم نہیں ہوتی (یہ بھی علماء کا ایک قول ہے)۔

یہ جو دوسرے قول والے ہیں یعنی جو کہتے ہیں کہ قرب کی صرف ایک ہی قسم ہے "قرب خاص" دعا کی قبولیت کا معنی جو ہے، اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ دلیل پکڑی ہے، سورۃ البقرۃ آیت نمبر 186 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾: اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے دلیل پکڑی ہے: "أقربُ مَا يَكونُ العبدُ مِن ربِّهِ وَهو ساجدٌ" (کہ بندہ اپنے ربّ کے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے)؛ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے؛ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فاجر اور کافر ہوں اُن کے قریب ہو۔

یعنی قرب کا یہ معنی اس میں موجود نہیں ہے صرف ایک ہی قسم کا معنی ہے کیونکہ قرب عام میں تمام مخلوقات شامل ہیں جس میں احاطے کا معنی ہے جیسا کہ عام معیت کا معنی ہے؛ تو جو علماء کہتے ہیں کہ قرب کا صرف ایک معنی ہے اور وہ قرب خاص، استجابت الدعاء، (اللہ تعالیٰ کی دعا کی قبولیت) تو فاجر اور کافر کے اللہ تعالیٰ قریب نہیں ہے، صرف مومن کے قریب ہے جو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے قریب ہے اور دعا کی قبولیت بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دعا کو قبول بھی کرتا ہے۔

اور یہ اختیار شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا، اور اِن کی تلمیذ ابن القیم رحمہ اللہ کا۔

اب اس قول کے تعلق سے علماء نے جو پہلے قول والے کہتے ہیں کہ تقسیم ہوتی ہے انہوں نے کچھ دلائل پیش کیے ہیں کہ یہ قول جو ہے "کہ صرف ایک قسم کا قرب ہے" یہ درست نہیں ہے بلکہ قرب دو قسم کے ہیں؛ آیئے دیکھیں اُن کے پاس کیا دلائل ہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولكن أورد على هذا القول": اس قول کے اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے اور یہ دلیل پیش کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "قوله تعالىٰ: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾(ق: 16)"۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں: "فالمراد بـ ﴿الْاِنْسَانَ﴾: كل إنسان" (انسان سے مراد تمام انسان (یعنی مسلم کافر سب اس میں شامل ہیں))۔

آیت کا ترجمہ دیکھیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾: اور یقیناً ہم انسان کو پیدا کیا ہے (کس نے پیدا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے)۔

﴿وَنَعْلَمُ﴾: اور ہم خوب جانتے ہیں۔

﴿مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾: جو نفس میں اس کے وسوسہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں خوب جانتا ہوں۔

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾: اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

تو انسان سے کیا مراد ہے یہاں پر صرف مومن یا اس میں فاجر کافر سب شامل ہیں؟ سب شامل ہیں۔ اور قرب کا لفظ سب کے لیے ہے کہ نہیں؟ سب کے لیے ہے۔

"ولهذا قال في آخر الآية": اور اس آیت کے آخر میں (یعنی آگے جو ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝٢٢﴾ "إلى أن قال": پھر آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝٢٤﴾ (ق:22-24)۔

یعنی سورۃ ق کی ان آیات میں یہ بات واضح ہوئی کہ انسان سے مراد تمام انسان ہیں (سارے انسان ہیں)، مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں، بَر بھی ہے فاجر بھی ہے، سب اس میں شامل ہیں۔

اور پھر اس آیت کو بھی پیش کیا گیا ہے اس قول پر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝٨٣ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝٨٤ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝٨٥﴾ (الواقعہ:83-85)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ (جب روح جو ہے وہ حلقوم (حلق) تک پہنچتی ہے) ﴿وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ﴾ (اور اُس وقت تم دیکھ رہے ہوتے ہو (یعنی کچھ کر نہیں پاتے ہو جب روح نکلنے کو آتی ہے)) ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ (اور ہم تم سے زیادہ قریب ہیں اُس مرنے والے کے جس کی روح حلق تک پہنچی ہے ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ لیکن تم دیکھتے نہیں ہو)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر ان کی تین قسمیں بیان کی ہیں جن کی روحیں حلق تک آئی ہیں اور ان تین اقسام میں کافر بھی شامل ہیں (یعنی مرنے والے سارے کے سارے مراد ہیں، نا کہ صرف مومن)۔ جب روح حلق تک پہنچتی ہے تو کیا صرف

مومن کے اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے؟ یا مومن کے تعلق سے بات ہو رہی ہے کہ ہم اُس سے تم لوگوں سے زیادہ قریب ہیں یا تمام مرنے والوں کے؟ تمام مرنے والوں کے بات ہو رہی ہے۔

اب یہ دو دلائل اُن لوگوں نے پیش کیے ہیں جو کہتے ہیں کہ دو قسمیں ہیں قرب کی، ایک قسم نہیں ہے؛ تو اُن لوگوں نے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ دو قسمیں ہیں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے قریب ہے۔

پھر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا جواب دیا گیا ہے (یعنی اس پہلے قول کا جو کہتے ہیں کہ دو قسمیں ہیں قرب کی اور ان دو آیتوں کو پیش کیا ہے اُس کا اب جواب دے رہے ہیں)؛ کہتے ہیں جواب کیا ہے؟ "وأجيب عن ذلك" (اس کا جواب دیا گیا ہے) "بأن قوله" (کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جو ہے) ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ "يعني: بملائكتنا": سورۃ ق کی آیت نمبر 16 میں: (کہ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)، اس سے مراد "بملائكتنا" (اپنے فرشتوں سے)۔

اور ان لوگوں نے یہ دلیل اس لیے پکڑی ہے کہ آیت میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ (ق:17): تو لینے والے تلقی کرنے والے جو ہیں فرشتے ہیں جو دائیں بائیں جانب بیٹھے ہیں پھر اُن کا ذکر کیا ہے۔ تو اس سیاق اور سباق سے واضح ہوا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مراد ہیں۔

"فإن ﴿اِذْ﴾ ظرف متعلق بـ ﴿اَقْرَبُ﴾ (کیونکہ لغت کے اعتبار سے بھی دیکھیں جو "اِذ" کا لفظ ہے یا ظرف ہے جس کا تعلق لفظ "اقرب" سے ہے) "يعني: ونحن أقرب إليه حين يتلقى المتلقيان" (تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے جب ہم یہ جملے آپس میں ملاتے ہیں "ونحن أقرب إليه" اور ہم اپنے بندے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جب فرشتے جو ہیں وہ تلقی کرتے ہیں اور لکھتے ہیں یعنی) "وهذا يدل على أن المراد بقربه تعالى قرب ملائكته" (تو اس سے مراد (اللہ تعالیٰ کے قرب سے مراد) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا قرب ہے)۔

اور اسی طریقے سے مرنے والے کے تعلق سے: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ﴾: یعنی "قرب الملائكة" (اس سے مراد فرشتے ہیں) "ولهذا قال: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الواقعہ:85)" (اس لیے آیت کے آخر میں فرمایا ہے) ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ (لیکن تم دیکھتے نہیں ہو)۔ اور اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ یہ جو قریب ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے (یعنی وہ موجود ہے، ہمارے پاس ہے) لیکن ہم اسے دیکھتے نہیں ہیں، جب موت کا فرشتہ آتا ہے مرنے والے کے پاس (تو فرشتہ تو آتا ہے نا!) روح بھی قبض کر لیتا ہے ہم بھی بیٹھے دیکھ رہے ہوتے ہیں مرنے والے کے قریب تو قریب تو ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟ وہ مرنے والے کے ہم سے زیادہ قریب

ہے کہ نہیں (سبحان اللہ)؟ لیکن کیا ہمیں نظر آتا ہے؟ ہم دیکھتے نہیں ہیں لیکن یقین ہے کہ فرشتے نے روح قبض کی ہے یا روح قبض کر رہا ہے۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) یہ معنی ممتنع ہے کہ اِس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمان یعنی آسمانوں پر ہے عرش پر مستوی ہے۔ یعنی روح قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ خود تو نازل نہیں ہوتا اس میں تو اجماع ہے نا کہ روح اللہ تعالیٰ خود قبض نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے قبض کرتے ہیں؟! لیکن مارتا کون ہے کس کے حکم سے موت آتی ہے؟ کس کے حکم سے اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کا بندے کو مارنا جو ہے جب اس کا اَجل آتا ہے تو اس سے مراد فرشتہ روح قبض کرتا ہے نا کہ اللہ تعالیٰ خود روح قبض کرتا ہے۔

اور کنکلوژن (Conclusion) یہ ہے خلاصۂ کلام یہ ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اب قول راجح کون سا ہے دونوں میں سے؟ کون سا عام یا خاص اس معنی سے؟ خاص۔

"وما ذهب إليه شيخ الإسلام؛ فهو عندي أقرب": شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ گئے ہیں میرے نزدیک زیادہ قریب ہے (یعنی معنی)۔

اگرچہ علماء کا پہلا قول بھی موجود ہے، یہ دوسرا قول بھی موجود ہے لیکن اب جب ترجیح کی جائے ان دلائل کی روشنی میں تو یہ بعض دلائل کو بیان کیا ہے ورنہ یہ لمبی بحث ہے پتہ ہے؟! آگے اس کا بھی جواب ہے پھر اس کا بھی جواب ہے لیکن لب لباب یہ ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا جو مؤقف ہے یعنی قرب سے مراد "اللہ تعالیٰ کا قرب اپنے مومن بندوں کے"؛ جو مومن ہیں متقی پرہیزگار ہیں جب اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قریب بھی ہوتا ہے اور دعا بھی قبول کرتا ہے۔ "ولكنه ليس في القرب بذاك": تو یعنی یہ معنی زیادہ قریب ہے اس سے جو پہلے معنی بیان کیا گیا ہے۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عقیدۃ الواسطیۃ میں: "كَمَا جَمَعَ بَيْنَ ذٰلِكَ فِي قَوْلِهِ" (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کیا ہے اپنے اس فرمان میں) ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ إلى آخر الآية (البقرة:186)۔

"وَقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ الذي تَدْعونَهُ أَقْرَبُ إلى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ راحِلَتِهِ": رواہ البخاری: پہلے گزر چکا ہے (یعنی ان جملوں کی جو شرح ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ بیان کر چکے ہیں)۔

"كما جمع بين ذلك: المشار إليه القرب والإجابة": یعنی شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ جملہ: "كما جمع بين ذلك" (یعنی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کیا ہے)، یعنی "القرب والإجابة" (اللہ کا قریب ہونا، اور دعا کو قبول کرنا)۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَمَا ذُكِرَ فِي الكِتابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ قُرْبِهِ وَمَعِيَّتِهِ لا يُنافِي مَا ذُكِرَ مِنْ عُلُوِّهِ وَفَوْقِيَّتِهِ" (اور جو ذکر کیا گیا ہے قرآن مجید میں اور سنت میں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اللہ تعالیٰ کی معیت یہ منافی نہیں ہے جو ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہے اور فوق ہے اوپر ہے) "فإنهُ سُبْحانَهُ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ في جَمِيعِ نُعوتِهِ" (اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے (سبحانہ وتعالیٰ کے): "في جَمِيعِ نُعوتِهِ": يعني: في جميع صفاته: نعوت صفات کو کہتے ہیں، تمام صفات میں)؛ "وَهُوَ عَلِيٌّ في دُنُوِّهِ، قَرِيبٌ في عُلُوِّهِ": "وَهُوَ عَلِيٌّ في دُنُوِّهِ" (اللہ تعالیٰ علی ہے اپنے قرب کے ساتھ بھی (دُنُو کا لفظ قرب کے معنی میں آتا ہے)) اللہ تعالیٰ بلند ہے علی ہے "في دُنُوِّهِ" (قرب کے ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ علی ہے، اللہ تعالیٰ یعنی اونچائی پر ہوتے ہوئے بھی قریب ہے) "قَرِيبٌ في عُلُوِّهِ" (اور قریب ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ بلند ہے)۔

تو ہر اعتبار سے ان دونوں معنوں میں ان دونوں لفظوں میں کوئی تضاد یا کوئی منافات نہیں ہے۔

"نعوت" سے مراد صفات ہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نعوته؛ يعني: صفاته"۔

"هو علي مع أنه دانٍ، قريب مع أنه عال، ولا تناقض في ذلك، وقد سبق بيان ذلك قريبًا في الكلام على المعية": یہ پہلے گزر چکا ہے، جو معیت کا بیان ہے، یعنی اس کی پہلے شرح ہو چکی ہے۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فصل" (ایک باب باندھا ہے چھوٹا سا) "في الإيمان بأن القرآن كلام الله حقيقة" (اس بات پر ایمان کہ بے شک قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے حقیقتاً)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فَصْلٌ: وَمِنَ الإيمانِ بِاللهِ وَكُتُبِهِ: الإيمانُ بِأَنَّ القُرْآنَ كلامُ اللهِ، مُنَزَّلٌ، غَيْرُ مَخْلوقٍ؛ مِنْهُ بَدَأَ، وَإِلَيْهِ يَعودُ"۔ "الإيمانُ بِأَنَّ القُرْآنَ كلامُ اللهِ": شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ قرآن جو ہے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان میں داخل ہے کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، اور قرآن مجید میں اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے قرآن مجید کو، اس بات پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ پر

ایمان لانے میں سے ہے "الإيمان بالله"؛ الایمان باللہ میں یہ بھی داخل ہے کہ ہمارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (یہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان میں داخل اور شامل ہے)۔

"قوله: كلامُ اللهِ": مصنف کا یہ قول (یعنی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول) کہ قرآن اللہ تعالیٰ کلام ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ التوبہ آیت نمبر 6 میں: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾۔

﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾: یہ شاہد ہے؛ (جب مشرکوں میں سے کوئی تمہاری پناہ لینا چاہے اس کو پناہ دے دو)۔ کب تک یا کہاں تک؟ ﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن نہ لیں)۔ تو "کلام اللہ" کی دلیل یہ ہے۔

پھر "مُنَزَّلٌ" کی دلیل: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے قرآن مجید جو ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الحجر آیت نمبر 9 میں: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (بے شک ہم نے نازل کیا ہے ذکر (یعنی قرآن مجید کو) اور بے شک ہم نے ہی اس کی حفاظت کرنی ہے)۔

"وقوله" (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سورۃ القدر آیت نمبر 1 میں) ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝﴾ (بے شک ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے)۔

"غَيْرُ مَخْلُوقٍ": کہ قرآن مجید اللہ کی مخلوقات میں سے نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے (مخلوق نہیں ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور اس کی دلیل سورۃ الاعراف آیت نمبر 54 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾: سورۃ الاعراف کی آیت کا حصہ ہے۔

"والقرآن من الأمر" (شیخ صاحب فرماتے ہیں، یعنی خلق اور اَمر اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور حکم بھی دیا ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے امر یعنی حکم میں سے ہے) "لقوله تعالى" (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے): اب اس کی دلیل کیا ہے کہ قرآن اَمر میں سے ہے؟ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 52 میں: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (اور اسی طریقے سے ہم نے آپ پر اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ﴿رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ یعنی آپ وحی نازل کی ہے ہمارے حکم سے (یعنی قرآن مجید جو ہے یہ وحی ہے اور ہمارے حکم سے ہے))۔

تو اَمر میں قرآن مجید بھی شامل ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کیونکہ کلام جو ہے وہ متکلم کی صفت ہے، اور مخلوق جو ہے وہ خالق کا مفعول ہے جو اللہ تعالیٰ سے الگ ہے جیسا کہ مصنوع جو ہے وہ صانع سے الگ ہے۔

جو پروڈکٹ (Product) ہوتی ہے جب آپ دیکھتے ہیں انسان کوئی چیز بناتا ہے اب فیکٹری نے یا انسان نے اس پانی کی بوتل کو بنایا ہے اب بنانے والا کون ہے؟ انسان ہے۔ یہ انسان سے الگ ہے کہ نہیں؟ صانع انسان ہے، مصنوع؛ یہ چیز پروڈکٹ (Product) جو وجود میں آئی ہے۔

تو خالق اور مخلوق کا بھی یہی طریقہ ہے کہ مخلوق خالق کا حصہ کبھی نہیں ہے؛ خالق جلّ شانہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور مخلوق اللہ تعالیٰ سے جدا ہے الگ ہے، لیکن جو کلام ہے وہ صفت متکلم ہے؛ ہم جب بات کرتے ہیں جو بات میں کر رہا ہوں اس وقت کیا مجھ سے الگ ہے یہ جیسا کہ میں نے پانی کی بوتل یہ بنائی ہے یہ الگ ہے؟ یہ الگ ہے، اور جو کلامِ صفت ہے متکلم ہے جو ذات سے الگ نہیں ہے بلکہ اُس ذات کی صفت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی یہ بات حق ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اللہ تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں کیونکہ مخلوق الگ ہے صفت الگ نہیں ہوتی۔

پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ جملہ: ''"منه بدأ"؛ يعني: أن ابتداء تنزيله من الله'': یعنی قرآن مجید کے نازل ہونے کی ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام سے نہیں ہے، اور نہ ہی سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف سے نازل ہوا ہے کیونکہ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں (یعنی آسمان سے نازل ہوتے ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الشعراء آیت نمبر 192 اور 193 میں: ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝﴾ (بے شک قرآن مجید جو ہے وہ تنزیل ہے ربّ العالمین میں سے ﴿نَزَلَ بِهِ﴾ جسے نازل کیا ہے ﴿الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ سیدنا جبریل اَمین علیہ الصلاۃ والسلام نے)۔

اور سورۃ النحل آیت نمبر 102 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قرآن مجید کو نازل کیا ہے روح القدس نے تمہارے ربّ کی طرف سے)۔

تو ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہے، اور قرآن نازل ہوا ہے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعے۔

اور سورۃ الزمر آیت نمبر 1 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝﴾ (کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب جو ہے ﴿تَنْزِيْلُ﴾ یعنی نازل کردہ کتاب ہے ﴿مِنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو العزیز اور الحکیم ہے)۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہے اور یہ بات اس لیے بیان کی گئی ہے کیونکہ بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سیدنا جبریل اُمین (علیہ الصلاۃ والسلام) کا کلام ہے، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے؛ تو اس کا اس جملے سے اس بدعقیدگی کا ردّ ہو جاتا ہے کہ جو قرآن مجید ہے ابتداءً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہوئی ہے، ہاں سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے پہنچایا ہے اللہ کے اس کلام کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک، اور محمد علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کو پہنچایا ہے بندوں تک، اور لوگوں تک پہنچایا ہے ثقلین تک۔

"وَإِلَيْهِ يَعودُ": آخری جملہ یعنی واپسی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور پہلے اس پر تفصیل کے ساتھ بات گزر چکی ہے اس کا معنی اور اس کی دلیل جب قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام پر یعنی بحث ومباحثہ ہوا ہے اور پہلے اس کی شرح ہو چکی ہے۔

یعنی جیسے دلیل میں آیا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ قرآن مجید نہ کتابوں میں ہوگا نہ لوگوں کے سینوں میں ہوگا اللہ تعالیٰ اٹھا لے گا "وَإِلَيْهِ يَعودُ": یعنی واپسی قرآن مجید کی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور اس کے دلائل پہلے تفصیل سے گزر چکے ہیں۔

اور پھر "وأن الله تكلم به حقيقة" (اور بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کلام کیا ہے حقیقتاً)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اصل ہے "بناء على الأصل": اصل بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حقیقی صفات ہیں اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ بھی حقیقی ہے اور جب قرآن اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے تو کبھی بھی مخلوق کا کلام نہیں ہو سکتا، اور قرآن کبھی مخلوق نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جو خالق کی صفت ہے وہ مخلوق نہیں ہے جیسا کہ مخلوق کی صفت مخلوق ہے۔

دیکھیں ایک صفت خالق کی ہے، ایک صفت مخلوق کی ہے؛ جب میں کلام کر رہا ہوں تو میرا کلام مخلوق ہے کیونکہ میں خود مخلوق ہوں، خالق کا کلام جیسا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے صفت بھی خالق کی ہے تو صفت کیسے مخلوق ہو سکتی ہے خالق کی؟! بات سمجھ آئی فرق کی؟ جب مخلوق بات کرتی ہے، جب ہم کلام کرتے ہیں ہم خود مخلوق ہیں؛ ہمارا کلام کیا ہے مخلوق ہے کہ نہیں؟ جب ذات مخلوق ہے تو پھر کلام کیسے مخلوق نہیں ہو سکتا؟! ہم مخلوق ہیں تو ہمارا کلام بھی مخلوق ہے۔

لیکن خالق سبحانہ وتعالیٰ کے تعلق سے بات ہو رہی ہے؛ کیا اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے جیسا کہ اہل بدعت نے کہا ہے؟! مخلوق نہیں ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے تو پھر مخلوق تو وہ کلام ہے جو مخلوق کا کلام ہے جیسا کہ جب ہم کلام کرتے ہیں تو خالق کا کلام کیسے مخلوق ہو سکتا ہے؟!

تو اس اعتبار سے بھی ناممکن ہے کہ خالق کا کلام مخلوق ہو؛ قرآن مجید مخلوق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کلام ہے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، ابتداء اللہ تعالیٰ سے ہوئی ہے اور واپسی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کلام حقیقی کلام ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''من قال''(جس نے کہا)''لفظي بالقرآن مخلوق؛ فهو جهمي، ومن قال: غير مخلوق؛ فهو مبتدع''۔

اسے عبد اللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کتاب السنۃ، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 165 میں بیان کیا ہے، اور الخلال نے بھی کتاب السنۃ میں بیان کیا ہے۔

امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''من قال''(جس نے یہ کہا)''لفظي بالقرآن مخلوق؛ فهو جهمي''(کہ میرا لفظ قرآن مجید سے جو میں (لفظ) کہہ رہا ہوں مخلوق ہے تو وہ جہمی ہے (ایسا شخص جو ہے جہمی ہے))''ومن قال: غير مخلوق''(اور جو کہتا ہے مخلوق نہیں ہے وہ بدعتی ہے)۔

جبکہ ہم ابھی کیا کہہ رہے ہیں؟ غیر مخلوق ہے نا۔ تو پھر بدعتی کیسے ہوئے؟! آیئے تفصیل دیکھیں ذرا پیاری تفصیل ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظ کے دو اطلاق ہوتے ہیں (دو معنی ہوتے ہیں): (۱) ایک تو مصدر جو فاعل فعل کرتا ہے جو بات کرنے والا ہے۔ (۲) اور جو لفظ منہ سے نکل گیا ہے۔

لفظ: جب ہم بات کرتے ہیں نا، جب میں بات کر رہا ہوں اس وقت تو دو چیزیں ہیں: ایک تو منہ سے زبان سے جو میں بات کر رہا ہوں، ایک وہ جو بات آپ میری زبان سے نکل رہی ہے آپ لوگ سن رہے ہیں؛ ایک فعل جو میں کر رہا ہوں (فاعل)، دوسرا وہ لفظ جو آپ سن رہے ہیں جو لفظ میرے منہ سے نکلا ہے؛ ''الملفوظ به''۔

جب پہلا معنی لیتے ہیں، یعنی جو لفظ منہ سے نکلا ہے یہ غیر مخلوق ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت کی ہے قرآن کا لفظ جو زبان سے پڑھا ہے جب میں کہتا ہوں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣﴾: سورۃ الفاتحہ کی پہلی تین آیتیں جو ہیں: تو یہ جو سورۃ کی آیتیں ہیں یہ الفاظ ہیں کہ نہیں؟ میرے منہ سے نکلے ہیں کہ نہیں؟ یہ جو الفاظ ہیں قرآن مجید کے یہ مخلوق ہیں؟ یہ مخلوق نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے نا؛ یہ غیر مخلوق ہے۔

''لأننا إذا قلنا: إن اللفظ هو التلفظ؛ فهذا الصوت الخارج من حركة الفم واللسان والشفتين مخلوق'': یہ جو لفظ نکلا ہے جو تلفظ ہے خود جو میرے منہ سے نکلا ہے، اور یہ جو آواز ہے جو زبان اور منہ کی حرکت اور ہونٹوں کی حرکت سے جو نکلی ہے یہ مخلوق ہے۔

"فإذا أريد باللفظ التلفظ": اگر تلفظ کا معنی لیا جائے تو مخلوق ہے، چاہے جو ملفوظ ہے وہ قرآن ہو یا حدیث ہو یا کوئی اور کلام ہو جو لفظ میرے منہ سے نکل رہا ہے جو تلفظ ہے وہ مخلوق ہے، لیکن جو لفظ "الملفوظ به؛ میں ایک بات کر رہا ہوں مخلوق بھی ہو سکتا ہے غیر مخلوق بھی ہو سکتا ہے۔

اگر اللہ کا کلام میں پڑھ رہا ہوں پھر مخلوق نہیں ہے کیونکہ اللہ کا کلام ہے، اگر میں کوئی اور بات کر رہا ہوں جیسے ابھی میں شرح کر رہا ہوں تو یہ مخلوق ہے کیونکہ میں مخلوق ہوں میرا کلام بھی مخلوق ہے، لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا ذکر کرتا ہوں اپنی زبان سے جو لفظ میری زبان پر ہے وہ میرا لفظ ہے لیکن جو میں نے پڑھا ہے تلاوت کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ مخلوق نہیں ہے؛ تو یہ فرق ہے دونوں میں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): "وعليه؛ إذا كان الملفوظ به هو القرآن؛ فليس بمخلوق": جب قرآن مجید کی تلاوت ہو زبان سے تو پھر مخلوق نہیں ہے۔

یہ تفصیل ہے اس مسئلے میں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جب یہ فرمایا ہے: "من قال: لفظي بالقرآن مخلوق؛ فهو جهمي": کہ دو باتوں کا احتمال ہے؛ تو پھر یہ کیوں کہا ہے جس نے کہا ہے "کہ میرا لفظ قرآن مجید سے جو منہ سے نکلا ہے وہ مخلوق ہے تو جہمی ہے"؟ اس کے دو احتمالات ہیں:

1- پہلی بات یہ ہے کہ یہ شعار جہمیت کا (ایک شعار) بن چکا تھا اُن کی پہچان تھی جہمی ہمیشہ یہ کہتے تھے اور یوں لگتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ جب آپ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنو "لفظي بالقرآن مخلوق"؛ کہ میرا لفظ قرآن مجید سے جو میں کہہ رہا ہوں مخلوق ہے؛ تو یہ خوب جان لو کہ یہ شخص جہمی ہے۔

کیونکہ اُس زمانے میں یہ بڑا فتنہ تھا "فتنہ خلق القرآن ": سب سے خطرناک فتنہ معتزلہ کا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں تھا؛ قید بھی کیا گیا بہت شدید تکلیفیں بھی ہوئیں، بعض کو قتل بھی کیا گیا اس فتنے کی وجہ سے۔

تو پہلا احتمال یہ ہے کیونکہ فتنہ بڑی شدت میں تھا اور جہمی یہ کہہ رہے تھے معتزلی کہہ رہے تھے کہ قرآن مخلوق ہے، جو لفظ ہے زبان سے نکلتا ہے مخلوق ہے، تاکہ لوگوں کو پریشان کیا جائے! ورنہ اس کی تفصیل تو الگ ہے: ایک مخلوق اپنا قول جو زبان سے نکل رہا ہے، ایک جو ملفوظ ہے جو لفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے قرآن مجید سے وہ الگ ہے؛ تو اس کو دیکھے بغیر وہ کہتے تھے "لفظي بالقرآن مخلوق" (قرآن مخلوق ہے)؛ جو ہم کہتے ہیں زبان سے وہ مخلوق نہیں ہے؟!

تو لوگوں کو پریشان کرنے کے لیے شبہ پیدا کرنے کے لیے کہتے ہیں: اچھا اگر قرآن مخلوق نہیں ہے میں جب تلاوت کرتا ہوں قرآن مجید کی تو پھر مخلوق ہے؟! تو لوگ پریشان ہو جاتے تھے! علم والے جواب دے دیتے تھے کہ مخلوق نہیں ہے کیونکہ تلفظ الگ چیز ہے ملفوظ بہ الگ چیز ہے، لفظ الگ ہے، لفظ کرنے والا جو زبان سے نکلتا ہے وہ چیز الگ ہے۔

تو تفصیل سے جب بات ہوتی ہے تو پھر بات آسان ہو جاتی ہے لیکن وہ بغیر تفصیل کے یوں بات کر دیتے تھے شبہے کو پھیلانے کے لیے! تو ایک یہ اُن کا شعار تھا اُن کی پہچان تھی جہمیوں کی اور معتزلہ کی، تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "اگر کسی شخص کو سنو جو یہ کہتا ہو کہ "لفظي بالقرآن مخلوق" تو وہ جہمی ہے"؛ بغیر تفصیل جاننے کے اس طریقے سے۔

2-اور دوسرا احتمال یہ ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کا: کہ جب قائل اپنے لفظ سے جو ملفوظ بہ ہے وہ کہتا ہے کہ مخلوق ہے تب وہ جہمی ہے (یعنی جو قرآن مجید کا لفظ بیان کیا گیا ہے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ لفظ جو ہے جو قرآن مجید کی آیت میں نے تلاوت کی مخلوق ہے تب تو وہ جہمی ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں ہے) "وهذا أقرب": اور یہ زیادہ قریب ہے اس معنی کے کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خود اس کی تفسیر کی ہے "من قال: لفظي بالقرآن مخلوق؛ يريد القرآن، فهو جهمي"۔ اور اس کی تفصیل بھی ایک جگہ پر آئی ہے: "من قال: لفظي بالقرآن مخلوق"؛ پھر اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے "يريد القرآن" اس سے مراد قرآن مجید ہے، "فهو جهمي" تو وہ جہمی ہے۔

"وحينئذ يتضح معنى قوله: "من قال: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو جهمي"، لأنه أراد الملفوظ به": کیونکہ جہمی سے مراد کیا ہے؟ "الملفوظ به": جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، نا کہ لفظ جو اس انسان کے منہ سے نکلا ہے، یا زبان کی حرکت سے (دونوں میں فرق ہے)۔

"ولا شك أن الذي يريد باللفظ هنا الملفوظ به فهو جهمي" (اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ جو ارادہ رکھتا ہے اس نیت سے بات کرتا ہے کہ لفظ جو ہے وہ "الملفوظ به" یعنی جو قرآن کا لفظ ہے وہ ہے تو جہمی ہے) "أما من قال: غير مخلوق" (جو کہتا ہے غیر مخلوق ہے) "فالإمام أحمد يقول: مبتدع" (تو ایسا شخص بدعتی ہے)۔

وجہ کیا ہے؟ "لأن هذا ما عهد عن السلف" (سلف نے یہ بات نہیں کی ہے (وہ ایسے قول کبھی کہتے نہیں تھے))، وہ یہ کہتے تھے: "القرآن كلام الله؛ فقط" (قرآن اللہ کا کلام ہے (اس طریقے سے))۔

یعنی ایک زمانہ جب کہتے تھے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے: ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ اللَّهِ﴾ (التوبہ:6)، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے قرآن مجید میں، کوئی مخالفت نہیں تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام کے زمانے میں، سب یہ جانتے تھے

؛ پھر ایک جب یہ فرقہ آیا نا فتنہ جہمیوں کا تو انہوں نے کہا "مخلوق ہے"، اب اس کے ردّ میں کہا گیا کہ غیر مخلوق ہے؛ جب آپ اس کے ردّ میں کہتے ہیں کہ غیر مخلوق ہے تب تو ٹھیک ہے بدعت تو نہیں ہے کیونکہ آپ اس فتنے کا ردّ کر رہے ہیں، قلع قمع کرنے کے لیے آپ بتاتے ہیں دلائل کی روشنی میں کہ غیر مخلوق ہے (مخلوق نہیں ہے)۔

لیکن ایک شخص بغیر کسی کا ردّ کرنے کے بغیر کسی وجہ کے، یہ فتنہ بھی نہیں ہے یہ بات ہی کوئی نہیں ہے، کہتا ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے؛ یہ بات کیوں کر رہے ہو بھئی کہ قرآن مخلوق نہیں ہے؟! سلف سے تو یہ ثابت نہیں ہے صحابہ سے یہ بات ثابت نہیں ہے، تو اس اعتبار سے بدعت ہے۔

لیکن دور حاضر میں اب جب ہم یہ شرح کر رہے ہیں ہم یہ کہہ رہے ہیں بار بار کہتے ہیں کہ غیر مخلوق ہے کیا بدعت ہے؟ نہیں! کیونکہ ہم اس وقت اُس عقیدے کی شرح کر رہے ہیں جس عقیدے میں اس بات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس تفصیل میں ہر وہ بات شامل ہے جو اہل بدعت کی بدعقیدگی موجود ہے اور انہوں نے زبان سے بھی اس کو ظاہر کیا ہے، یہاں تک کہ شبہ کا بھی ردّ کیا گیا ہے جو لفظ ہمارے منہ سے نکلتا ہے، یہاں تک بھی لوگ پہنچے ہیں لوگوں کو شبہ میں ڈال کر کہا کہ یہ بھی مخلوق ہے!

تو کیا ایسی صورت میں اس کا ردّ کرنا چاہیے کہ نہیں؟ ردّ کرنا چاہیے۔ تو اس اعتبار سے جب شرح میں ہم یہ بات کرتے ہیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے کرتے ہیں تب یہ بدعت نہیں ہے، لیکن بغیر کسی مقصد کے بغیر کسی وجہ کے اگر آپ کسی کو کہتے ہیں "کہ قرآن مخلوق نہیں ہے"؛ ایک عامی شخص بیچارہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کسی چیز کا تو وہ کہے گا "بھئی تمہیں کس نے کہا ہے کہ مخلوق ہے؟!"۔ کیا خیال ہے ایک عامی شخص ہے اس کو کسی چیز کا پتہ ہی نہیں ہے، آپ کہتے ہیں "قرآن مخلوق نہیں ہے"، تو وہ پوچھے گا آپ سے کہ بھئی تمہیں کس نے کہا ہے مخلوق ہے، مخلوق نہیں ہے؟! اُس کو تو پتہ ہی نہیں ہے نا! تو اس اعتبار سے شبہ نہیں ڈالنا چاہیے اُسے؛ ہاں اُسے کہنا چاہیے جس کے اندر یہ شبہ موجود ہے کہ قرآن مخلوق ہے کہ نہیں؟ یا کسی نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ یا شرح میں جیسے طلاب علم کو ہم سکھاتے ہیں سمجھاتے ہیں اور کتاب کی شرح کرتے ہیں تب تو ٹھیک ہے۔

تو یہ وجہ ہے، کیونکہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ بدعتی ہے تم لوگ کہتے ہو غیر مخلوق ہے، تو بدعتی ہوا۔

تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ کہنا جو ہے "غیر مخلوق ہے" اس اعتبار سے کہ سلف سے ثابت نہیں ہے تو جہمی کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے؛ ''لفظي بالقرآن مخلوق'' یا ''لفظي غير مخلوق''؟ لفظ جو منہ سے نکلتا ہے مت کہو کیونکہ ''لفظي بالقرآن مخلوق'' جو ہے یا غیر مخلوق میں لفظ جو زبان سے نکلا ہے یہ سلف سے ثابت ہے جو لفظ ہمارے منہ سے نکلتا ہے؟

اچھا جو فتنہ بھی آیا صحابہ کے بعد تب بھی جواب دیا؛ امام احمد بن حنبل اُن ہی میں سے سلف میں سے ہیں نا؟ تب بھی انہوں نے جواب دیا ہے کہ "غیر مخلوق"۔

دیکھیں ایک تو قرآن مجید خود ہے ایک ہے جو لفظ ہمارے منہ سے نکلتا ہے؛ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے اس کی بات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کر رہے ہیں؛ جو لفظ میرے منہ سے نکلتا ہے مخلوق ہے غیر مخلوق ہے؟

دیکھیں دونوں اعتبارات میں:

(۱) اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مخلوق ہے تو جہمی ہے۔

(۲) کہتا ہے غیر مخلوق ہے تو بدعتی ہے (یہ لفظ جو منہ سے نکلتا ہے)۔

کیوں؟ مخلوق اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو تلفظ ہے، اور "غیر مخلوق" اس لیے بدعتی ہے کیونکہ سلف سے ثابت ہی نہیں ہے کہ جو لفظ منہ سے نکلتا ہے یہ مخلوق ہے، غیر مخلوق ہے!

تو دو چیزیں ہیں: (۱) ایک قرآن مجید ہے۔ (۲) اور ایک جو لفظ میرے منہ سے نکلتا ہے؛ جو لفظ میرے منہ سے نکلتا ہے یہ غیر مخلوق ہے۔

تو قرآن مجید کیا جو میرا لفظ ہے غیر مخلوق نہیں ہے جو لفظ میں قرآن مجید کے علاوہ کہتا ہوں یا قرآن مجید کا لفظ جو میرے منہ سے نکلا ہے؟ جو لفظ ہے وہ کیا ہے؟ وہ مخلوق ہے۔ دیکھیں نا!

تو اس جھنجھٹ سے نکلنے کے لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ جملہ بڑا پیارا جملہ ہے: ''من قال: لفظي بالقرآن مخلوق؛ يريد القرآن، فهو جهمي، ومن قال: غير مخلوق؛ فهو مبتدع'': تو دونوں صورتوں میں درست نہیں ہے تاکہ اس فتنے سے شبہے سے آسانی سے نکلا جائے۔

سوال: چند لوگوں نے خاموشی اختیار کی ہے نہ لفظ کہا نہ یہ کہا تو قف کیا؟

جواب: توقف؛ گو کہ الگ بات ہے توقف کی جب یہ بھی قول موجود ہے۔

''قوله''(شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول)''وَأَنَّ هذا القُرْآنَ الذي أُنْزِلَ عَلى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم هُوَ كَلامُ اللهِ حَقيقَةً، لا كَلامُ غَيرِهِ''(اور یہ قرآن مجید جو ہے اسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اپنے پیارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقتاً ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا کلام نہیں ہے)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیخ الاسلام نے اس بات کو دوبارہ بیان کیا ہے (مکرر کیا ہے) کیونکہ مقام جو ہے عظیم مقام ہے اور اس مسئلے میں بہت سارا فتنہ ہوا اور آزمائش ہوئی مسلمانوں پر اور یہ کسی سے مخفی نہیں ہے (یعنی سب مسلمان جانتے ہیں) اور بہت سے لوگوں کو قتل اور ہلاک کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حق کی حمایت کی ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان جیسے علماء سے جنہوں نے انکار کیا یہ کہنے سے کہ قرآن مجید جو ہے وہ مخلوق ہے (اس کا انکار کیا ہے)، اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

''لا كَلامُ غَيرِهِ'': یعنی اس کے خلاف جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید جو ہے وہ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے الہام کیا ہے سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کو اور پھر سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام اُس الہام کی وجہ سے اپنی طرف سے قرآن مجید کو بیان کیا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا ہے؛ یا اُن لوگوں کا بھی ردّ ہے اس جملے میں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن جو ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے، یا اس جیسے اور بھی جو معنی موجود ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اگر آپ یہ کہیں کہ مصنف کا یہ قول ''لا كَلامُ غَيرِهِ''؛ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معارض یا مخالف ہے، سورۃ الحاقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے آیت نمبر 40 اور 41 میں: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝٤٠ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝٤١﴾؛ اور سورۃ التکویر آیت نمبر 19 اور 20 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝١٩ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝٢٠﴾؛ پہلا جو ہے وہ قول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، دوسرا قول سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا ہے؟! (یعنی ان دونوں سورتوں کی آیات میں)۔

اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کی آیات میں یہ جو رسولوں کا ذکر ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا) انہوں نے کلام تو بیان کیا ہے قرآن مجید کو بیان تو کیا ہے لیکن پہنچانے کے لیے بلاغت کے اعتبار سے نا کہ ابتداءً، ابتداءً اُن کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے ہم یہ کہیں کہ ابتداء اُن ہی سے ہوئی ہے۔

اور عقلی دلیل یہ بھی ہے (یعنی شیخ صاحب یہ فرماتے ہیں) کہ ایک کلام دو مختلف ذاتوں سے ممکن نہیں ہے!

ظاہر ہے اگر آپ کہتے ہیں کہ سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیسے ہے؟! اگر آپ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے پھر سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کا کیسے ہے؟!

ایک کلام کی ابتداء تو ایک سے ہونی چاہیے نا، دوسرا پہنچانے والا ہے؛ جب یہ ممتنع ہو گیا دونوں میں سے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ جہاں سے ابتداء ہوئی ہے اُسی کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ سے ابتداء ہوئی ہے۔

آج کے درس میں اتنا کافی ہے ان شاء اللہ اگلے درس میں یہیں سے درس کا آغاز کریں گے، تھوڑا سا لمبا ہے یہ باب جو ہے: ''وَلا يَجوزُ إطْلاقُ القَوْلِ بِأنَّهُ حِكايَةٌ عَنْ كلامِ اللهِ أو عِبارَةٌ'' (یہ پھر بدعتیوں کا ایک نیا قول ہے کہ قرآن مجید جو ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت یا عبارت ہے (حقیقتاً نہیں ہے))۔

یہ لفظ "حقیقتاً" کا ابھی ہم جواب دے رہے ہیں کہ حقیقتاً کیوں کہا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے: کہ ''القُرْآنَ كلامُ اللهِ، مُنَزَّلٌ، غَيْرُ مَخْلوقٍ؛ مِنْهُ بَدَأَ، وَإلَيْهِ يَعودُ'': ''كلام الله حقيقة''۔

یہ حقیقت کا لفظ جو ہے اب اس کی ہم بات کر رہے ہیں کہ کیوں حقیقت کا لفظ ہے، کیونکہ یہ بات بھی موجود ہے اُشاعرہ، معتزلہ کہتے ہیں: کہ ''حِكايَةٌ عَنْ كلامِ اللهِ'' (قرآن مجید جو ہے وہ اللہ کا کلام ہے لیکن حقیقتاً نہیں بلکہ ''حِكايَةٌ عَنْ كلامِ اللهِ'' ہے)؛ تو اس کا کیا معنی ہے اور اس کا کیا جواب ہے اگلے درس میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ ((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (072.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio